© rasailojaraid.com

تیرھویں قسط

حسرت

جناب عابد رضا صاحب بیدار - رضا لائبریری - رام پور

قیدِ فرنگ سے آزادی کے بعد:۔

"اردوئے معلیٰ کی دوبارہ اشاعت پر چند احباب نے بمقتضائے محبت وہمدردی یہ صلاح دی ہے کہ ہم کو اب پالٹکس سے بالکل دست کش ہوجانا چاہیئے۔ بعض کا مشورہ یہ تھا کہ اگر سیاسی مضامین ہوں بھی تو مسلم لیگ کی مسلمہ پالیسی کے موافق ہوں، چند دوستوں نے جو آزاد خیال ہیں، یہاں تک اجازت دی کہ اگر جمہور اہلِ ہند ہی کی ہم خیالی منظور ہو تو کانگریس کے نرم فریق کی روش اختیار کی جائے۔

ہم ان تمام نیک نیت مشوروں اور مصلحت کوش صلاحوں کا شکریہ فرض ہی لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں سے بدترین گناہ ہے جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کے دل میں ارادہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

پالٹکس میں ہم مقتدائے وطن پرستاں مسٹر تلک اور سرکردہ احرار بابو آربند و گھوش کی پیروی کو اپنے اوپر لازمی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس حیثیت سے "فیروز شاہی کانگریس سے ہم کو اتنی ہی بیزاری ہے جتنی امیری مسلم لیگ یا نوزائیدہ لال چندی کانفرنس سے۔ اور ہمارے خیال میں یہ بیزاری بالکل حق بجانب ہے۔

اس لئے کہ دنیا میں رفتار اور اہلِ دنیا کے طبائع کا میلان صریحاً حریت کی طرف ہے۔ چنانچہ خوابیدہ براعظم ایشیا میں ہندوستان کے سوا اور کوئی بڑا ملک اس وقت آزادی کی نعمت سے محروم نہیں ہے۔ پس عقلِ سلیم باور نہیں کر سکتی کہ تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک باقی رہے جس کی قسمت میں محکومیِ دوام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذلت لکھدی گئی ہو۔ ایسا گمان بظاہر مشیت ایزدی کے سراسر خلاف نظر آتا ہے۔

غرض کہ ارباب دانش وبینش کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ فرنگی حکومت کا غیر طبعی نظام ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں باقی نہیں رہ سکتا اور اپنی موجودہ صورت میں تو اس کا چند سال قائم رہنا بھی دشوار نظر آتا ہے گرم فریق کے رہنما عموماً اور آربندو گھوش خصوصاً تمام پولیٹیکل کوششوں میں مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں اس واسطے ہمارے نزدیک وہ حق پر ہیں۔ برخلاف اس کے رہنمایان فریق نرم، پیروان مسلم لیگ اور بانیان ہندو کانفرنس اہل ہند اور دوامی محکومی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ہمارے انتہائی عروج کا مفہوم اس قدر ہو کہ ہم غلام سے ترقی یافتہ غلام یا محکوم سے خوشحال محکوم ہوجائیں۔ یہ لوگ آزادی ہند کی خواہش کو خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ ان کا دائرۂ خیال اور اسی لئے دائرۂ عمل بھی تنگ اور محدود ہے۔ ان کی روش دنیا کی رفتار حریت کے خلاف ہے اور اس لئے بقطعی طور سے غیر طبعی اور ناقابل قبول ہے۔ اردوئے معلی کو ان لوگوں کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ بقول مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا مفتوح قوموں اور ملکوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی پالیسی نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی تمام محنت کے ساتھ حریت کامل کے دوبارہ حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہوجائیں۔ بس جس شخص کی پالیسی اس سے کچھ بھی مختلف ہو اس کی نسبت سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ہی خواہان وطن کے گروہ سے یقیناً خارج ہے۔

ہر قیمتی سے قیمتی چیز کی طرف سے انھوں نے اپنی چشم قناعت پسند کو بند کرلیا ہوس جاہ اور طلب نام ونمود کے مکروہ جذبات سے حسرت کا قلب پاک کبھی آشنا نہیں ہوا، صدق وصفا زہد وورع کے اوصاف ان میں قدما کی طرح جلوہ گر ہیں۔ نئی پود میں شاید ہی ایسی مثالیں مل سکیں جن میں مزاج کی سادگی کے ساتھ حوصلہ کی بلندی، یقین کی استواری، حق پسندی، حق شعاری، خلوص، متقوئی اور ایثار وفدویت کے اعلیٰ اوصاف اور کریمانہ اخلاق حسرت سے زائد یا حسرت کی برابر پائے جاتے ہوں اور چونکہ انھوں نے اپنی ضروریات کو بہت محدود کرلیا ہے اس لئے مدنیت کے غیر ضروری لوازمات کے لئے وہ کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہوتے۔ اسی استغنا اور بے نیازی کا اثر ان کے قوت ضمیر وجرأت صداقت اور بے باکانہ اظہار رائے پر پڑتا ہے یعنی کوئی خارجی طاقت ان کو متاثر ومرعوب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسرت کے ایثار کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی آمدنی ابتدا سے اس وقت تک کبھی شاید پچاس روپیہ سے زائد نہیں ہوئی۔ سودیشی اسٹور قائم کرنے سے پہلے تو اردوئے معلیٰ کی محدود آمدنی پر قانع تھے اور اردوئے معلیٰ کی اشاعت پانچسو سے کبھی زائد نہیں ہوئی جیل جانے کے بعد اردوئے معلیٰ بند ہو گیا اور یہ تھوڑی بہت آمدنی بھی جاتی رہی۔ اس وقت خدا ہی کو معلوم ہے کہ بیگم حسرت موہانی اور ان کی شیر خوار بچی نے کیونکر دن گذارے

جیل سے آنے کے بعد حسرت نے پھر دوبارہ اردوئے معلیٰ کو جاری کیا مگر چونکہ اب سرمایہ اُن کے پاس باقی نہیں رہا تھا اور حکومت کے لطف و مہربانی نے ان کی مالی حالت اس قابل نہیں رہنے دی تھی کہ وہ اردوئے معلیٰ کو پھر اسی سابقہ شان سے نکال سکتے۔ اس لئے مجبوراً ان کو اردوئے معلیٰ کا سائز، حجم اور اسی کے ساتھ قیمت کم کرنی پڑی۔ یعنی صرف ایک روپیہ قیمت رکھی سال بھر میں صرف پانچسو روپے حسرت کے ہاتھ میں آتے تھے جس میں خود اردوئے معلیٰ کے سال بھر کے مصارف بھی شامل تھے۔ اگر ان مصارف کو منہا کر کے خالص آمدنی حسرت کی دیکھی جاتی تو شاید دس بارہ روپیہ ماہوار سے کسی طرح زائد نہیں ہو سکتی تھی۔

مولانا حسرت سودیشی تحریک کے ابتدا رہی سے حامی و موید تھے اور ہمیشہ اس تحریک کو وسعت و فروغ دینے میں ساعی اور خواہشمند رہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حسرت کا وجود ایک پیکر عمل ہے، اُن کے مذہب میں عقیدہ کا تعلق صرف قلب ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ اس کو ایک غیر مرئی شکل میں دیکھنا پسند کرتے ہیں چنانچہ اس تحریک کے متعلق بھی اُن کی کوشش ہمیشہ یہی رہی کہ جس قدر ممکن ہو اس کی وسعت تمام ہندوستان کو اپنی آغوش میں لے لے۔ اس میدان میں سب سے پہلا قدم اُن کا خود اپنے نفس اور اپنے متعلقین کی طرف بڑھا۔ یعنی سب سے پہلے انھوں نے خود اپنے اور اپنے متعلقین کے اوپر غیر ملکی مصنوعات کو حرام کر لیا۔ اس کے بعد اسی تحریک کو وسعت دینے میں مصروف ہوئے۔ کوشش کر کے ایک سودیشی اسٹور قائم کر دیا۔ مولانا شبلی اور نواب وقار الملک کی وساطت سے سر فاضل بھائی کریم بھائی سے ملے اور مولانا کی سفارش سے سر فاضل بھائی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرض کپڑا خریدا۔ اسی طرح دوسری چیزیں دوسرے تھوک فروشوں سے قرض خریدیں۔ یہ دوکان چل نکلی اور خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ انھوں نے اس تحریک کو مزید وسعت دینے کے لئے اکثر مقامات کے دورے کئے اور وہاں جاکر اس تحریک کی خوبیاں لوگوں کے ذہن نشین کرائیں اور بہت سے قصبات اور شہروں میں سودیشی دوکانیں کھلوادیں جو اب تک کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔

غرضکہ حسرت ملک کی اقتصادی حالت کے درست کرنے میں بالکل اسی طرح سرگرمی سے ساعی رہے جس طرح وہ میدانِ سیاست میں سرگرم کار تھے اور ان کا یہ سلسلہ ۱۹۰۵ء سے جاری ہے۔

حسرت کا خیال ہے کہ اس وقت جمہور اہلِ اسلام کو ثانوی تعلیم کی سخت ضرورت ہو تاکہ عام طور پر مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت وغیرہ میں شریک ہوسکیں۔ اس خیال کی بنا پر وہ اسکولوں کے قیام کالجوں سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے ہیں اور اسی خیال کی بنا پر وہ اسکولوں کے الحاق کے بغیر مسلم یونیورسٹی کو مفید نہیں سمجھتے، چنانچہ حسرت نے آخر وقت تک اس امر کی کوشش کی کہ جب تک آزاد یونیورسٹی نہ ملے اس وقت تک گورنمنٹ کے محدود غیر آزادی بخش چارٹر کو قبول نہ کیا جائے وہ اپنے اس خیال کے مطابق کہ مسلمانوں کو ثانوی تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے، یہ مصمم ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ ہر ضلع اور ہر قصبہ میں ایک اسلامی درس گاہ قائم کراکے رہیں گے۔

معاشرتی امور میں اصلاح تمدن کے تمام مسائل سے اتفاق کامل ہے۔ البتہ رسم پردہ کے متعلق حسرت ہندوستان کے موجودہ اور مروجہ پردے کو کوئی مذہبی فرض نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک چہرہ اور ہاتھ داخلِ ستر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کا چھپانا بھی مذہباً لازمی نہیں ہے تاہم اہلِ ہند کی اخلاقی حالت کے لحاظ سے وہ جمہور ملت کے لئے رسماً و مصلحتاً نہ کہ مذہباً پردے کو جائز سمجھتے ہیں۔ البتہ خواص کے لئے جن کو کسی قسم کے فساد کا اندیشہ نہو، وہ پردے کو بیکار سمجھتے ہیں اور اسی خیال پر عمل بھی کرتے ہیں۔ مذہباً حنفی ہیں اور مشرباً قادری، بچپن ہی میں مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی سے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد آپ کے صاحبزادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی مولانا عبدالباری صاحب کے والد ماجد سے پھر تجدید بیعت کی۔ یہ خاندان قادری المشرب ہے، مولانا کو تصوف کے ساتھ غیر معمولی لگاؤ ہے۔ موجودہ قیدِ فرنگ میں اس رنگ نے اور بھی پختگی اختیار کر لی ہے۔ حسرت کا قول ہے کہ تصوف جانِ مذہب ہے اور عشق جانِ تصوف العشق هو الله هو الله کا اکثر ورد رکھتے ہیں۔

مولانا حسرت فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی امتحان ایسا نہیں دیا جس کے بعد کامیابی کا یقین نہ ہو۔ چنانچہ علی گڈھ کالج سے بی اے کا امتحان دینے کے بعد نتیجہ کا انتظار کئے بغیر اردوئے معلی کا اشتہار شائع کر دیا تھا۔

اردوئے معلی نے پالٹیکس میں اس وقت سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا جبکہ اس خیال کو سخت ترین معصیت سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس وقت مسلمانوں میں حسرت کا ایک بھی ہمخیال نہ تھا۔ الا ماشاء اللہ مظہر الحق اس وقت تک صفی پور میں منصف تھے اور پالٹکس میں حصہ لے بھی نہیں سکتے تھے۔ حسرت سے ان کی شناسائی ادبی تحریک کی بنا پر ہوئی تھی۔ محمد علی بھی ۱۴ء ۱۹ تک حسرت سے اختلاف رکھتے تھے غرض کہ عام طور سے حسرت کی پالیسی سے مسلم لیڈروں کو اختلاف تھا۔ البتہ صرف ایک مولانا شبلی مرحوم تھے، جنھوں نے ابتدا ہی سے حسرت کی تائید کی اور ۱۹۰۴ء میں اردوئے معلی کا پہلا سیاسی مضمون دیکھ کر داد دی تھی اور لکھا تھا :۔

اینکہ گفتی حکایتِ سحر است　　　روزِ روشن ہنوز در قدر است

ذیل کے دو واقعے بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ایک تو یہ کہ علی گڈھ کالج میں حسرت، ڈاکٹر ضیاء الدین کے خاص اصرار اور تحریک سے آئے اور آخر تک ریاضی نہ چھوڑا۔ دوسرے یہ کہ اردوئے معلی میں پہلا سیاسی مضمون شیخ عبداللہ نے لکھا۔ مگر اب یہی دونوں بزرگ علی گڈھ میں حسرت سے سب سے زیادہ اختلاف رکھتے ہیں۔

حسرت کی ذات اپنے اندر ایک نمایاں خصوصیت رکھتی ہے اور وہ یہ کہ سوائے اختلافِ رائے کے اور ان کی کسی بات سے لوگوں کو اختلاف نہیں اور نہ اخلاقی حیثیت سے ان پر آج تک کسی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی اعتراض کیا۔ تمام ملک اُن کی حُسنِ نیت کا قائل ہے۔ اور اُن کے خلوص اور للّٰہیت کا معترف۔ ان کی حریت پسندی و وطن پرستی کے جذبات کو حبِ جاہ اور طلب نام و نمود و غرور وغیرہ سے بالکل منزہ سمجھتا ہے اور ہر شخص اُن کی سچائی کا معترف ہے۔

حسرت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تمام اسلامی ہند میں سب سے پہلے جس شخص کے پاؤں میں وطن پرستی کے جُرم بے جرمی میں مقدس بیڑیاں ڈالی گئیں، وہ اس دیوانہ حُریت و آزادی حسرت موہانی کا پاؤں ہے۔

تیسری خصوصیت ان کی یہ ہو کہ وہ اس وقت سے راہِ حق اور صراطِ مستقیم پر چل رہے ہیں، جبکہ سیاسی عقائد کے لحاظ سے تمام اسلامی ہند گمراہ تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج انھیں کی پالیسی پر تمام لوگ عامل ہیں یہ اُن کی سچائی اور ان کے عقیدہ کی استقامت کی نہ صرف دلیل ہے بلکہ فتح ہے جس پر حسرت جس قدر چاہیں فخر کرسکتے ہیں کہ اولیت کے مجد و شرف کے لئے خداوند قدوس کے دستِ قدرت نے اُن کو چُن لیا تھا گویا ضلالت و گمراہی سے کبھی اُن کا دل آشنا نہیں ہوا اور اول دن سے وہ مومن و مسلم تھے۔ یعنی ایسا نہیں ہوا کہ پہلے وہ غلامی پسند اور استبداد دوست ہوں، بعد میں واقعات اور تجارب نے تبدیلیِ رائے پر ان کو مجبور کر دیا ہو وہ زمانے کی کسی انقلابی طاقت سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ خود انہیں کے حالات و کیفیات نے انقلابی صورت پیدا کر دی اور ایک دنیا اس دورِ انقلاب کے تحت آگئی۔

لیکن حسرت نے اپنی شخصیت کو ایک لیڈر کی حیثیت سے کبھی نمایاں نہیں کیا اور نہ کبھی رہنمائی اور پیشوائی کی۔ اس عزت کی طرف ایک قدم بڑھایا جس کے حصول کی آرزو میں سیکڑوں خانہ زاد لیڈر بن گئے آج تک نہ کبھی ان کی گاڑی کھینچی گئی نہ پھولوں کے ہار اُن کے گلے میں پہنائے گئے نہ ان کا کہیں استقبال کیا گیا اور نہ پذیرائی کی تمنا کبھی اُن کے دل میں پیدا ہوئی۔ وہ پیدل چل کر جلسوں میں شریک ہوتے، تھرڈ کلاس میں سفر کرتے، معمولی سودیشی کپڑے پہنتے اور معمولی سادہ غذا کھاتے پیتے رہتے۔

قانونِ مطابع کی جابرانہ دست درازیاں جس وقت سے اسلامی ہند پر شروع ہوئیں تو ہندوستان میں سب سے پہلا اسلامی پریس جس پر تلوار چلائی گئی وہ حسرت ہی کا اردو پریس تھا۔ اردو پریس کی تمام کائنات ایک کاٹھ کی دستی مشین اور تین پتھر تھے، جس میں دو جزو کا ماہوار اردوئے معلیٰ چھپتا تھا، اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوقات ایسا ہوا کہ خود حسرت نے مشین چلائی اور قلیوں کی طرح کام کرکے رسالے کو اس کے وقت پر شائع کردیا۔

ایسے بے حقیقت پریس سے جس سے ایک حبہ آمدنی کبھی نہیں ہوئی سر جیمس مسٹن کی گورنمنٹ نے پورے تین ہزار کی ضمانت طلب کی۔ ایک ایسے شخص سے جو سو دو سو روپے کا بھی انتظام نہ کرسکتا ہو اس سے تین ہزار کی ضمانت طلب کرلینا سوائے جذبۂ انتقام کے اور کس امر پر محمول کیا جاسکتا ہے اس ضمانت طلبی کا مدعا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ پریس قطعی طور سے بند کردیا جائے۔ حالانکہ ضمانت وغیرہ کا لینا صرف اس غرض سے ہوتا ہے کہ آئندہ سے احتیاط کی جائے نہ کہ سرے سے پریس کو غارت ہی کردیا جائے۔ حسرت تین ہزار کی رقم فراہم نہیں کرسکتے تھے بالآخر ان کو پریس اور اس کے ساتھ ہی اردوئے معلیٰ بند کردینا پڑا۔ تاہم انھوں نے آخری پرچے میں اعلان کردیا کہ گو اردوئے معلیٰ بند کردیا گیا ہے مگر میری زبان میرا دل اور میری قوتِ عمل ہنوز آزاد ہے اور میں جس طرح پہلے کام کرتا تھا اب بھی خدا کی بخشی ہوئی طاقتوں سے کام لوں گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ طرابلس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ مولانا حسرت نے اٹلی کے خلاف بائیکاٹ کا فتویٰ شائع کیا تھا اور اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں کو اس امر پر آمادہ کررہے تھے کہ وہ اٹلی کا مال خریدنا ترک کردیں۔

حسرت کی یہ بے باکی گورنمنٹ کو خوش نہیں آئی۔ غالباً اس جدّ و جہد اور سعی و کوشش کو روکنے کے لئے یہ تدبیر کی گئی تھی۔ مگر گورنمنٹ کے اس طرزِ عمل سے مولانا حسرت کا جوشِ عمل اور بھی ترقی پکڑ گیا اور وہ ہمہ تن اس تحریک کو فروغ دینے میں مصروف ہوگئے۔ اور اردوئے معلیٰ کے بجائے تذکرۃ الشعرا کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ نکال کر ادبی خدمت گذاری کے سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔

یوں تو حسرت کو کامل آزادی کبھی نصیب نہیں ہوئی، یعنی ہمیشہ ہمہ وقت سی آئی ڈی کے آدمی سفر حضر میں ان کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ مگر کوئی قید و بند نہیں تھی۔ اسی حال میں ۱۹۱۶ء تک آزاد رہے لیکن مئی ۱۹۱۶ء میں مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے جلسہ سے واپس آنے کے دو تین ہی روز بعد پہلے ان کی خانہ تلاشی ہوئی پھر نظربندی کا حکم صادر ہوا۔ للت پور بھیج دیا گیا اور وہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے آناً فاناً چند گھنٹوں میں فیصلہ سنادیا۔ اور دو تین مختلف الزامات میں دو سال کی قید محض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجویز کردی۔

اس مرتبہ مولانا کی نظر بندی اور جیلخانہ پر ملک و قوم کی طرف سے اس سرد مہری و بے نیازی کا اظہار نہیں کیا گیا جو ۱۹۰۸ء میں کیا گیا تھا۔ ملک کے ہر ہر گوشہ سے مولانا کی بے قصور سزا دہی اور نظر بندی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ صحافتِ وطن نے بھی اپنی پوری قوت سے ان جابرانہ احکام کے خلاف صدائیں بلند کیں۔

۲۲ مئی ۱۹۱۸ء کو میعاد قید ختم ہونے والی تھی مگر ایک نیا مرحلہ امتحان و آزمائش کا تھا یعنی دو سال مسلسل قید کے بعد پھر از سر نو وہی منزلِ امتحان اور وہی محلِ آزمائش درپیش تھا یعنی جس وجہ سے دو سال قبل حسرت نے قانونِ تحفظِ ہند کے احکام کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا وہی وجہ آج بھی موجود تھی۔ آنے والی تاریخ آئی اور حسرت نے اس معرکۂ حق و باطل میں وہی کیا جس کی ان سے توقع تھی۔ حکومت نے ان کی میعادِ سزا ختم ہونے سے پہلے ہی ان کو رہائی دی اور ساتھ ہی احکام نظر بندی بھی دینے چاہے مگر حسرت نے ان کو لینے سے یک قلم انکار کر دیا۔

اس موقع پر بیگم حسرت موہانی اور سنٹرل بیورو کے کارکن مسٹر تاج الدین اور نواب اسحاق خاں پہلے سے میرٹھ پہونچ گئے تھے۔ نواب صاحب قبلہ نے اس موقع پر بہت کچھ رفاقت کی اور مولانا حسرت کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ بطورِ خود کھٹور میں کچھ دن قیام کر لیں تاکہ اس عرصہ میں حکومت سے مزید گفت گو کی جا سکے۔ چنانچہ مولانا نے اپنی خوشی سے بطورِ خود چند روز کے واسطے کھٹور میں رہنا منظور کر لیا۔ اور ایک تار گورنمنٹ کو دیا گیا کہ اگر حکومت نظر بندی کے احکام کا نوٹس جاری نہ کرے تو وہ اپنی خوشی سے کم و بیش حکومت کی شرطوں کا خیال رکھیں گے۔ حکومت نے حسرت کی اس شرط کو منظور کر کے جاری شدہ احکاماتِ نظر بندی کو اٹھا لیا اور نوٹس کو منسوخ کر دیا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com